تنزیل و تاویل

برزخ

اشاعت گذشتہ میں "عالم برزخ" کے عنوان سے جناب مولانا اسلم جیراج پوری کا طویل مضمون درج کیا جا چکا ہے۔ ان کی کتاب "تعلیمات قرآن" پر تبصرہ کرتے ہوئے برزخ کے متعلق ان کی تاویلات پر میں نے قصداً کوئی اظہار رائے نہ کیا تھا، کیونکہ رسالہ "معارف" میں اس پر مفصل مضامین شائع ہو چکے تھے، اور مجھے امید تھی کہ ان کو دیکھکر مولانا نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا ہوگا۔ لیکن اب ان کے تازہ مضمون سے معلوم ہوا کہ انھیں ابھی تک اس رائے پر اصرار ہے۔ مزید برآں ان کو اس بات پر تعجب بھی ہے کہ میں (مدیر ترجمان القرآن) قرآن کی جماعیت و نصرت و اشاعت کا "مدعی" ہونے کے باوجود ان حضرات کا ہم خیال ہوں جنہوں نے "معارف" میں ان کے خیالات کی تردید کی ہے۔ حالانکہ ان سے زیادہ مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ جن خیالات کی تردید اتنے قوی دلائل سے کی جا چکی ہے، ان پر مولانا کو ابھی تک اصرار ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ شاید میں کوئی ایسی بات نہ کہہ سکونگا جو حیات برزخیہ اور عذاب و ثواب برزخ کے حق میں نہ کہی جا چکی ہو۔ تاہم میں کوشش کرونگا کہ ہر قسم کی تلخ گفتاری سے پرہیز کر کے زیادہ سے زیادہ دلنشین انداز بیان کے ساتھ ان آیات قرآنی کی صحیح تاویل پیش کروں جن کے سمجھنے میں مولانا نے پے در پے غلطیاں کی ہیں۔ اس لیے کہ سابق مضامین میں اگر کوئی قصور تھا تو وہ صرف یہی کہ ان کے لہجہ میں تلخی تھی جس سے مخاطب کی طبیعت مشتعل ہو کر مشاہدہ حق سے پھر جاتی ہے۔

برزخ کا مفہوم سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ لغت کے اعتبار سے برزخ کا مفہوم کیا ہے۔ دو چیزوں کے درمیان جو چیز واقع ہو، اور ان کو باہم ملنے سے روک دے یا ان کو الگ الگ کر دے وہ عربی زبان میں

"برزخ" کہلاتی ہے، خواہ وہ پردہ یا اوٹ ہو، یا زمانہ، یا کوئی اور شئے۔ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ۔ اور جَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَحْجُورًا میں برزخ سے مراد وہ روک ہے جو دو سمندروں کو ملنے سے باز رکھتی ہے۔ ایک حدیث میں ذکر آیا ہے کہ اِنَّهُ صَلَّى بِقَوْمٍ فَاسْوَىٰ بَرْزَخًا۔ یعنی آپ نے ایک جماعت کو نماز پڑھائی اور قرآن پڑھتے پڑھتے ایک مقام سے سلسلہ منقطع فرما کر دوسرے مقام سے تلاوت شروع کر دی۔ یہاں اس حصہ کو جو چھوڑ دیا گیا تھا "برزخ" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں وساوس کو براز خ الایمان کہا گیا ہے یعنی شک اور یقین کی درمیانی حالت۔ مفسرین و ائمہ لغت نے برزخ کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ البرزخ الحاجز والمهلة متقاربات المعنی (ابن) البرزخ ما بين كل شيئين من حاجز (نهاية ابن اثير) البرزخ الحاجز والحد بين الشيئين (راغب)۔

اصطلاحی معنی | اسی لفظ کو قرآن مجید نے اصطلاحاً اُس مدت یا اس حالت کے لیے استعمال کیا ہے جو انسان کی موت سے لیکر قیامت کے دن تک ہے جس آیت میں یہ لفظ وارد ہے وہ خود اس کے اصطلاحی معنی کو واضح کر رہی ہے:

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ
رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا
فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا
وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ۔
(۲۳ : ٦)

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ پروردگار مجھے واپس کر دیجیے امید ہے کہ میں اس زندگی میں جس کو چھوڑ آیا ہوں نیک عمل کرونگا۔ ہرگز نہیں۔ یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہتا ہے اور ان کے آگے ایک برزخ ہے اس دن تک جب کہ وہ اٹھائے جائینگے

اس سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت سے روز قیامت تک جو کچھ ہے اس کا نام برزخ ہے آپ چاہیں تو اسے روک یا آڑ کہہ سکتے ہیں، لیکن اگر یہ آڑ ہے بھی تو میت اور دنیا کے درمیان ہے یا میت اور قیامت کے درمیان ہے۔ خدا اور بندے کے درمیان ہرگز نہیں ہے۔ قرآن مجید میں کوئی اشارہ ایسا

نہیں ملتا جس سے یہ مفہوم نکلتا ہو کہ برزخ میں مردے اپنے رب کی حضوری سے آڑ میں رکھے جاتے ہیں۔ یہ محض ایک بے بنیاد قیاس ہے۔

برزخ کی کیفیت اب سوال یہ ہے کہ برزخ کی کیفیت کیا ہے۔ آیا اس میں انسان کے لیے کوئی زندگی ہے یا نہیں؟ وہاں صالحین کے لیے کوئی راحت اور فاسقین کے لیے اذیت ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ برزخ میں نفس انسانی کس حال میں رہتا ہے؟

مولنا اسلم جیراج پوری کا دعویٰ یہ ہے کہ :-

۱۔ مرنے والے برزخ میں اپنے رب کی حضوری سے آڑ میں رکھے جاتے ہیں اور صرف قیامت کے روز ان کی پیشی ہوگی۔

۲۔ برزخ مطلقاً عالم ممات ہے جس میں حیات، علم، احساس، شعور کچھ نہیں ہوتا، اور اس لیے عذاب و ثواب، راحت و اذیت بھی وہاں نہیں ہے۔

۳۔ برزخ میں رہنے سے مراد اللہ کے نوشتے میں رہنا ہے یعنی انسان اس دنیا میں آخری سانس لینے کے بعد معدوم ہو جاتا ہے، اور صرف اس کا اندراج اللہ کے دفتر میں رہتا ہے۔ پھر جب قیامت ہوگی تو ان سب کو دوبارہ زندہ کیا جائیگا جو اس دفتر میں مندرج ہیں۔ پس موت سے لیکر قیامت تک نفس یا روح کی حالت ایک معدومیت اور فنائیت کی حالت ہے، اور اس کے لیے اگر موجودیت ہے تو وہ صرف کتاب اللہ میں ہے۔

۴۔ صرف وہ لوگ جو فی سبیل اللہ جنگ کرکے مارے جاتے ہیں، اس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ مرنے کے بعد زندہ رہتے ہیں، اپنے رب کی حضوری سے آڑ میں نہیں رکھے جاتے، بلکہ اسی وقت حاضر کر دیے جاتے ہیں اور ان کو روزی ملنے لگتی ہے۔

ہم کو دیکھنا ہے کہ یہ دعویٰ قرآن سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں، اور قرآن مجید کی رو سے مذکورۂ بالا سوالات کا صحیح حل کیا ہے؟

موت اور حیات کا مفہوم | اس بحث میں پہلا حل طلب سوال یہ ہے کہ زندگی اور موت سے کیا مراد ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ:-

كُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ (۲: ۳)۔ تم مردہ تھے، پھر تم کو زندہ کیا، پھر وہ تم کو مارتا ہے پھر وہ تم کو جلائے گا۔

اس آیت میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ پہلی موت سے مراد وہ حالت ہے جو قالب خاکی میں نفخ روح سے پہلے تھی جیسا کہ آیت وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ...... ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ (۳۲: ۱) سے معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ پہلی زندگی سے مراد وہ حالت ہے جو جسم میں روح کے پھونکے جانے کے بعد ہوتی ہے اور جس میں انسان اپنے جسمانی کانوں سے سنتا، جسمانی آنکھوں سے دیکھتا اور جسمانی دل و دماغ سے سوچتا ہے۔ اس کی طرف بھی آیت مذکورۂ بالا اشارہ کرتی ہے۔

۳۔ دوسری موت سے مراد وہ حالت ہے جو جسد خاکی سے نفس یا روح کے سلب کر لیے جانے کے بعد ہوتی ہے۔ اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا (۳۹: ۵) اور وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ (۶: ۱۱) اسی کی وضاحت کرتی ہے۔

۴۔ دوسری زندگی سے مراد وہ حالت ہے جس میں قیامت کے روز وہی جان جو موت کے وقت جسم سے نکالی گئی تھی دوبارہ جسم میں پھونکی جائیگی۔ اس پر وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ (۸۱: ۱) اور كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ (۲۱: ۷) اور ایسی ہی بہت سی آیات دلالت کرتی ہیں۔

جسمانی موت کے بعد روحانی زندگی | پس معلوم ہوا کہ قرآن مجید نے عموماً موت سے جسم و روح کا انفصال اور زندگی سے جسم و روح کا اتصال مراد لیا ہے۔ لیکن اس معنی میں جس حالت کو وہ موت کہتا ہے اس سے

مراد عدم نہیں ہے، بلکہ وہ بھی ایک طور کی زندگی ہے جس میں روح بولتی اور سنتی اور شعور و ادراک رکھتی ہے چنانچہ خود قرآن مجید سے اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ دیکھیے پہلی موت کے دور کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ:۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا (۷:۱۷۲)

اور جب کہ تیرے رب نے بنی آدم سے ان کی پیٹھوں میں سے انکی ذریت کو نکالا اور خود ان کے اوپر ان کو گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا ہاں، ہم گواہ ہوئے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب روحیں جسموں میں پھونکی نہ گئی تھیں، اور جب کہ ان پر موت طاری تھی اس وقت بھی وہ اس معنی میں مردہ نہ تھیں کہ ان میں سماعت اور گویائی اور علم و شعور نہ تھا حق تعالیٰ نے ان سے جو سوال کیا اس کو انھوں نے سنا، اس کا جواب دیا، اور جواب علم کی بنا پر دیا۔ پس وہ موت محض اجساد سے جدائی کا اعتبار کرتے ہوئے تھی۔ ورنہ حقیقت میں وہ بھی زندگی ہی تھی، کیونکہ علم اور سمع اور گویائی کی صفات زندگی ہی میں پائی جاتی ہیں۔

پھر دوسری موت کی حالت میں بھی ارواح کا ان اوصاف سے متصف ہونا، قرآن مجید کی متعدد آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ فرمایا:۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (۲۳:۹۹-۱۰۰)

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ پروردگار! مجھ کو واپس کر دیجیے۔ امید ہے کہ میں اس زندگی میں جس کو میں چھوڑ آیا ہوں نیکی کروں گا ہرگز نہیں یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہتا ہے اور ان کے آگے برزخ ہے اٹھائے جانے کے دن تک۔

اس آیت میں ارجعون اور فیما ترکت اور من ورائہم برزخ کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر اس حالت کا ہے جب دنیا چھوٹ چکی ہے، برزخ اس کے اور دنیا کے درمیان

حائل ہو چکی ہے، اور دنیا میں رہنے کا نہیں بلکہ دنیا میں واپس جانے کا مسئلہ درپیش آگیا ہے۔ اس حالت موت میں انسان اپنے رب سے کلام کرتا ہے اور دنیا میں واپسی کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں خوف و رجاء کے جذبات ہوں گے، اپنی دنیوی زندگی کے کارنامے اس کو یاد ہوں گے، ان پر ندامت اور مستقبل کے خطرات کا احساس ہوگا، اپنے پروردگار کو وہ جانتا ہوگا، اور اس میں گویائی کی قوت بھی ہوگی جبھی تو وہ ایسی بات کہے گا۔ کیا یہ مطلق عالم ممات ہو سکتا ہے جس کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ اس میں حیات کا کوئی شائبہ نہیں؟

دوسری آیات بھی اس کی تائید کرتی ہیں:۔

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (۶۳ : ۲)

اور خرچ کرو اس رزق میں سے جو ہم نے تم کو عطا کیا ہے قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آئے پھر وہ کہے کہ پروردگار کاش تو مجھے تھوڑی مہلت اور دیتا کہ میں خیرات کرتا اور صالحین میں سے ہوتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا (۴ : ۱۴)

جن لوگوں کی جانیں ملائکہ نے اس حال میں قبض کیں کہ وہ (کفار کی سرزمین میں رہ کر اپنے اوپر آپ ظلم کر رہے تھے ان سے ملائکہ نے کہا کہ تم یہ کس حال میں پڑے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ ہم زمین میں بے بس تھے فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین فراخ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کو پہنچ گئے تو کہا کہ کہاں ہیں وہ تمہارے معبود جن کو تم خدا کے سوا پکارتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ وہ ہمارا

أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي النَّارِ (۷:۴)

ساتھ چھوڑ گئے، اور انہوں نے اپنے اوپر گواہی دی کہ وہ کافر تھے۔ خدا نے کہا کہ تم بھی ان قوموں کے ساتھ آگ میں داخل ہو جاؤ جو از قسم جن و انس تم سے پہلے گذر چکی ہیں

الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (۴:۱۶)

جن لوگوں کی جانیں ملائکہ اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک تھے، تو ان سے کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو جنت میں داخل ہو اپنے ان اعمال کے بدلے میں جو تم کرتے تھے۔

الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ فَأَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِن سُوءٍ بَلَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا (۱۶:۴)

جن لوگوں کی جانیں ملائکہ اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنے اوپر آپ ظلم کرنے والے تھے، تو وہ ان سے دوستی ڈالیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو کوئی برا عمل نہ کرتے تھے۔ کہا جائیگا کہ ہاں خدا جانتا ہے جو کچھ تم کرتے تھے پس تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جہاں تم ہمیشہ رہو گے۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ (۸:۷)

اور کاش تو دیکھتا جب کہ ملائکہ ان لوگوں کی جانیں قبض کرتے ہیں جنھوں نے کفر کیا ہے، وہ ان کو آگے اور پیچھے مارتے جاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ عذاب دوزخ کے مزے چکھو۔

یہ اور ایسی ہی بہت سی آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عرف عام میں جس انفصال روح و جسم پر لفظ موت کا اطلاق ہوتا ہے وہ ایسی موت نہیں ہے جس میں مطلق کسی قسم کا احساس و شعور اور شائبۂ حیات موجود نہ ہو۔ برعکس اس کے اس حالت میں بھی روح میں زندگی کے وہ تمام آثار موجود ہوتے ہیں جو جسمانی زندگی میں ہوا کرتے ہیں، البتہ ان کا طور و انداز بدلا ہوا ہوتا ہے، اور جسمانی زندگی سے وہ حالت مختلف ہوتی ہے۔

عرفی موت پر زندگی کا اطلاق

چونکہ انسان کے نزدیک زندگی سے مراد جسمانی زندگی ہے، اور موت سے مراد

جسمانی موت ہے، اور اسی مفہوم کے لیے انسانی زبان میں موت اور حیات کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے حق تعالیٰ نے بھی اپنے کلام میں عموماً موت اور حیات کو جسمانی موت اور جسمانی حیات کے معنی میں استعمال کیا ہے لیکن بعض مواقع ایسے بھی آئے ہیں جہاں انسان کے اس جاہلانہ خیال کی تردید کرنا ضروری ہو گیا کہ زندگی حقیقت میں جسمانی زندگی ہے، اور جسمانی موت حقیقی موت ہے جس میں حیات کا کوئی شائبہ نہیں۔ جب حق کی خاطر جان دینے کا سوال پیش آتا ہے تو یہ جاہلانہ خیال انسان کی ہمت کو پست کر دیتا ہے۔ وہ اس وقت اپنی جان قربان کرتے ہوئے ہچکچاتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ اگر مارے گئے تو زندگی کے مزے چھوٹ جائیں گے اور جسم سے جان نکلتے ہی ہم فنا ہو جائیں گے۔ ایسے موقع پر حق تعالیٰ اس حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے کہ جس کو تم موت کہتے اور سمجھتے ہو وہ حقیقت میں موت نہیں ہے۔ ہماری راہ میں جان دے کر تم مطلق عالم ممات میں نہ چلے جاؤ گے بلکہ پھر بھی زندہ ہی رہو گے اور ہمارے رزق کے مزے اس حال میں بھی تم کو نصیب ہوں گے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ (۳:۱۶۹)

اور تو ان لوگوں کو جو خدا کی راہ میں مارے جاتے ہیں مرا ہوا نہ سمجھ وہ تو زندہ ہیں اپنے رب کے پاس انہیں رزق دیا جاتا ہے

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (۲:۱۹)

اور تم ان لوگوں کو مردہ نہ کہو جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں وہ تو زندہ ہیں مگر تم جانتے نہیں ہو۔

ان مواقع پر چونکہ پردہ پڑا رہنے سے ایک بڑی مصلحت فوت ہو رہی تھی، اس لیے حقیقت کو بے نقاب کر دیا گیا۔ مگر غور سے دیکھیے۔ یہ نہیں کہا کہ جو لوگ فی سبیل اللہ مارے جاتے ہیں، ان پر وہ موت طاری نہیں ہوتی جس کو عرف عام میں موت کہا جاتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ ان کی موت کو حقیقی موت نہ سمجھو اور نہ کہو۔ وہ مارے ضرور جاتے ہیں، ان کے جسم سے جان ضرور نکل جاتی ہے۔ وہ دنیا سے رخصت ضرور ہوتے ہیں۔ ان کو دفن بھی کیا جاتا ہے۔ ان کی عورتیں بیوہ اور ان کے بچے یتیم بھی ہو جاتے ہیں۔ ان کے ترکے تقسیم بھی ہوتے ہیں۔ ان تمام

حیثیتوں سے وہ دنیا اور دنیا والوں کے لیے مر جاتے ہیں۔ مگر اس جسمانی موت کے بعد بھی ایک زندگی ہے جو ان کو حاصل رہتی ہے، اور اس کے بعد بھی اللہ کے رزق اور اس کی بخششوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اگرچہ تم کو اس کا شعور نہیں ہے۔

مولانا اسلم جیراجپوری اس نکتہ کو نہ سمجھ سکے۔ انہوں نے عرفی موت اور حقیقی موت میں فرق نہ کیا۔ انہوں نے اس مصلحت پر بھی غور نہ کیا کہ خاص شہداء کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے اس فرق کو کس لیے واضح کیا ہے۔ ان کی نظر ان آیات کے معانی تک بھی نہ پہنچ سکی جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرق محض شہداء کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام مرنے والوں کے لیے عرفی موت کے بعد بھی ایک روحانی زندگی ہے جس میں احساس، شعور، سمع، گویائی وغیرہ قوتیں بدستور باقی رہتی ہیں۔ اس پہلی اور بنیادی غلطی نے ان کو پے در پے غلطیوں میں مبتلا کر دیا اور آخر تک ان کے قیاسات غلط ہوتے چلے گئے۔

برزخ میں روحوں کے مقامات

جسمانی موت کے بعد روحانی زندگی کا ثبوت مل چکا۔ اب ہم کو آگے بڑھ کر یہ دیکھنا ہے کہ مرنے کے بعد انسانی نفوس کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے اور وہ کہاں رکھی جاتی ہیں۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ برزخ میں نفوس کے مقام کا انحصار ان کی دنیوی زندگی کے اعمال پر ہے۔ جو نفوس دنیا میں تقویٰ اور عمل صالح کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں وہ اتنے لطیف ہو جاتے ہیں کہ مقامات رفیعہ کی طرف پرواز کرنے لگتے ہیں۔ جسم سے نکلتے ہی فرشتے ان کو کامیابی کی خوشخبری سناتے ہیں، ان کا نام عالم بالا کے دفتر میں لکھا جاتا ہے، اور یوم الفصل کے انتظار کی مدت وہ ایسی بلند منزلوں میں گذارتے ہیں جہاں ان کو جنت کی خوشبوئیں آتی ہیں، بلکہ درحقیقت وہ جنت ہی کی ابتدائی منازل ہوتی ہیں۔

۱ اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ	جن لوگوں کی جانیں ملائکہ اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک تھے، ان سے وہ کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ (۱۶ : ۴)

جنت میں داخل ہو اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ (۲۲ : ۸)۔

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر مارے گئے یا مر گئے اللہ ان کو اچھا رزق عطا کرے گا اور حقیقت میں اللہ ہی بہتر رزق دینے والا ہے۔ وہ ضرور ان کو ایسی جگہ داخل کریگا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۔ (۳ : ۱۷)

اور یقین رکھو کہ اگر تم راہ خدا میں مارے گئے یا مر گئے تو اللہ کی مغفرت اور رحمت اس مال و دولت سے بہتر ہے جو لوگ دنیا میں جمع کرتے ہیں۔ اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو اللہ ہی کی طرف لیجائے جاؤ گے[1]

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ .... اِنِّيْ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ (۳۶ : ۲)۔

اور ایک شخص شہر کے پرلے سرے سے دوڑتا ہوا آیا اور بولا کہ لوگو! رسول کی پیروی کرو .... میں تمہارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں، میری بات سنو (اس پر لوگوں نے اسے قتل کر دیا[2]) اس سے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جا

اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ وَمَآ اَدْرٰىكَ

نیک لوگوں کا دفتر علیین میں ہے اور علیین کو تو کیا جانے

---

[1] اس آیت اور اوپر والی آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام صالحین کے ساتھ ایک ہی معاملہ ہوتا ہے اور اس میں شہید و غیر شہید کا کوئی فرق نہیں ہے۔ نیز مولانا اسلم جیراجپوری کے اس خیال کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ شہداء کے سوا تمام باقی روحیں برزخ میں اپنے رب کی حضوری سے آڑ میں رکھی جاتی ہیں۔

[2] قرآن مجید میں اس شخص کے مارے جانے کا ذکر نہیں ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے قتل کر دیا گیا تھا جو شخص روایات کو ظنی اور ناقابل اعتبار سمجھتا ہو اس کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ اس شخص کو جنت میں داخل ہونے کا حکم مرنے کے بعد دیا گیا

مَا عِلِّيُّوْنَ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ — کہ کیا ہے۔ وہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی مقربین اس کی نگرانی کرتے ہیں۔ (۸۳)

بخلاف اس کے جو لوگ فسق و فجور میں جان دیتے ہیں ان کی روحیں گندی ہو جاتی ہیں ان کے لیے مقامات عالیہ کے دروازے نہیں کھلتے جسم سے نکلتے ہی اُن پر سختیاں شروع ہو جاتی ہیں ان کو ذلت اور مصیبت کے قید خانوں میں رکھا جاتا ہے جہاں ان کو اپنے ہولناک انجام کے آثار نظر آنے لگتے ہیں، اور وہ کثافتیں جو دنیوی زندگی کے بُرے اعمال سے انہوں نے سمیٹ لی تھیں ان کو بے چین و بے قرار رکھتی ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ (۷:۵) — جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان کے مقابلہ میں تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائینگے

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰۤئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ (۸:۷) — اور کاش تو دیکھتا جب کہ ملائکہ ان لوگوں کی جانیں قبض کرتے ہیں جنہوں نے کفر کیا ہے۔ وہ ان کو آگے اور پیچھے سے مارتے جاتے ہیں کہ آگ کے عذاب کا مزا چکھو۔

اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ (۸۳) — بدکاروں کے نام (قیدیوں کے دفتر) سجین میں لکھے جاتے ہیں۔ اور تو کیا جانے کہ سجین کیا ہے۔ وہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی۔

ان کے علاوہ متعدد آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسقین پر موت کے بعد ہی سختیاں شروع ہو جاتی

لہ مولانا اسلم جیراجپوری نے اس آیت اور اسی سلسلہ کی ایک دوسری آیت کا مفہوم نہیں سمجھا علیون کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ یا تو اس سے مراد منازل عالیہ ہیں۔ یا عالی مقام لوگ۔ اسی طرح سجین سے مراد یا قید خانہ ہے یا قیدیوں کا گروہ۔ صالحین و ابرار کے نام اس دفتر میں لکھے جاتے ہیں جو علیین کے لیے مخصوص ہے، اور فاسقین و فجار کے نام سجین کے دفتر میں مندرج ہوتے ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ نفوس فنا ہو جاتے ہیں اور صرف رجسٹر میں نام رہ جاتے ہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی روحیں علیین و سجین میں داخل ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ مدرسے میں بچہ کا نام لکھا گیا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بچہ غائب ہو گیا اور صرف اس کا نام رجسٹر میں رہ گیا۔

ہیں۔ مثلاً آل فرعون کے متعلق ارشاد ہے کہ۔

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۝ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (۴۰: ۵)

اور آل فرعون کو بُرے عذاب نے گھیر لیا۔ وہ آگ کا عذاب ہے جس پر وہ صبح شام پیش کیے جاتے ہیں۔ اور جب قیامت قائم ہوگی تو حکم دیا جائیگا کہ آل فرعون کو اس سے سخت تر عذاب میں داخل کرو۔

اس آیت کے الفاظ اتنے واضح ہیں کہ مفہوم میں کسی قسم کا الجھاؤ نہیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ غرق ہوتے ہی آل فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا۔ اب وہ دائماً آگ پر پیش کیے جاتے ہیں اور جب قیامت قائم ہوگی تو اس سے زیادہ سخت عذاب دیا جائیگا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ مولانا اسلم جیراجپوری نے پہلے سے چند نظریات قائم کر لیے ہیں جو قرآن مجید کی بعض آیات کے غلط مفہوم پر مبنی ہیں اور اب بجائے اس کے کہ وہ ایسی صاف اور صریح آیات کو دیکھ کر ان نظریات میں ترمیم کرتے، وہ کوشش کر رہے ہیں کہ ان کی تاویل کر کے ان غلط نظریوں کے مطابق ڈھال لیں۔ یہی وہ ذہنیت ہے جو انسان کو قرآن کا صحیح مفہوم سمجھنے نہیں دیتی۔

اسی کے قریب المعنی وہ آیت ہے جو مدینہ اور گرد و پیش کے منافقین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۔ (۹: ۱۳)

عنقریب ہم ان کو دو مرتبہ عذاب دیں گے پھر وہ زیادہ بڑے عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے۔

یہاں بھی الفاظ صریح اور مفہوم واضح ہے۔ عذاب کے تین مرتبے بتلائے ہیں۔ ایک دنیا کا عذاب کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوئے اور ان کی ساری تدبیریں ناکام کر دی گئیں۔ دوسرا برزخ کا عذاب۔ اور تیسرا عذاب عظیم جو قیامت کے بعد ہوگا۔ لیکن یہاں پھر مولانا کے نظریات نے ان کو ایک صاف بات سمجھنے سے روک دیا۔

چند غلط نظریات | مولانا کے نظریات میں پہلا نظریہ یہ ہے کہ وہ برزخ کو مطلق عالم ممات سمجھتے ہیں جس میں حیات کا

کوئی شائبہ نہیں اسی بنا پر وہ کہتے ہیں کہ برزخ میں نہ راحت ہے اور نہ اذیت۔ لیکن اس کی تائید میں جو آیات انہوں نے پیش کی ہیں وہ ان کے مدعا کی تائید نہیں کرتیں۔ بالفرض اگر قرآن مجید میں مشرکین و کفار کے معبودوں سے مراد انبیاء، اولیاء، صلحاء اور دوسرے انسان ہیں جو وفات پا چکے ہیں، تب بھی ان آیات سے جو مولانا نے پیش فرمائی ہیں، صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ آدمیوں کی پکار نہیں سنتے، ان کی دعاؤں سے غافل ہیں، اور ان کو جواب نہیں دے سکتے۔ مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ بجائے خود بے حس و بے جان، بے شعور، بے علم اور بالکل غافل و بے خبر ہیں؟ اگر وہ اس عالم کی باتیں نہیں سنتے اور اس عالم کے لوگوں کو جواب نہیں دے سکتے، تو اس سے یہ نتیجہ کیوں کر نکالا جا سکتا ہے کہ جس عالم میں وہ ہیں، وہاں بھی ان میں بولنے اور سننے اور محسوس کرنے کی قوت نہیں ہے؟ پہلے ایک مضمون کی آیات پر غور کیے بغیر ایک غلط نظریہ قائم کرنا، پھر اس نظریہ کی بنا پر دوسری صریح آیات کی تاویل کرنا، اور الفاظ کو ان کے صاف مفہوم سے پھیرنا وہ طریقہ نہیں ہے جس سے آدمی قرآن مجید کے علوم سے استفادہ کر سکتا ہو۔ قرآن مجید ایک جگہ کہتا ہے کہ تم مُردوں کو نہیں سُنا سکتے، اور مردے تمہاری دعاؤں کا جواب نہیں دے سکتے۔ دوسری جگہ وہی قرآن کہتا ہے کہ فرشتے مُردوں سے باتیں کرتے ہیں اور مُردے ان کو جواب دیتے ہیں۔ کیا ان دونوں باتوں میں کوئی تناقض ہے؟ اگر نہیں تو آپ جس طرح پہلی بات کو مانتے ہیں، اسی طرح دوسری کو بھی مانیے اگر ہے تو تناقض ثابت کیجیے۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ "قرآن کی رو سے انسان کے لیے دو ہی موتیں اور دو ہی زندگیاں ہیں"۔ دنیاوی زندگی کے بعد "دوسری زندگی حشر کے دن ملے گی نہ کہ قبر میں۔ لہٰذا اس دنیاوی زندگی کے منقطع ہو جانے کے بعد اہل برزخ میں مطلقاً زندگی کا کوئی شائبہ نہیں"۔ یہاں دراصل موت اور حیات کا مفہوم سمجھنے میں مولانا سے لغزش ہوئی ہے۔ جس انفصالِ جسم و روح پر لفظ موت کا اطلاق کیا گیا ہے اس کے متعلق مولانا نے فرض کر لیا کہ اس میں مطلقاً زندگی کا کوئی شائبہ نہیں، اور زندگی محض اتصالِ

جسم و روح کا نام ہے لیکن اوپر قرآن مجید کی آیات سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ مفروضہ بالکل غلط ہے۔

تیسرا نظریہ بھی ایسا ہی عجیب و غریب ہے۔ ایک آیت میں وارد ہوا ہے کہ مردے جب حشر کے دن اٹھائے جائیں گے تو کہیں گے کہ ہائے کس نے ہم کو ہماری خوابگاہ سے اٹھا دیا۔" بعض اور آیات میں ہے کہ دنیوی زندگی اور قیامت کے درمیان وہ زیادہ سے زیادہ ایک گھڑی کا فصل سمجھیں گے۔ اس سے مولانا نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ برزخ میں مُردے بالکل غافل و بے خبر پڑے ہوئے ہیں اور ان کو زمانے کا مطلق احساس نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے اور عذاب یا ثواب ان پر ہو رہا ہوتا تو اس طویل مدت کو بھول نہ جاتے لیکن قرآن میں یہ بھی تو فرمایا گیا ہے، کہ حشر کے دن لوگ اپنے قیام زمین کی مدت کا اندازہ ایک دن یا زیادہ سے زیادہ دس دن لگائیں گے۔ پھر کیا بالکل اسی طرح اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ دنیا کی زندگی میں بھی انسان غفلت و بے خبری اور "مطلق عالم ممات" میں پڑا رہا؟ سوال یہ ہے کہ آخر اس قسم کی قیاس آرائیاں کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ جو نتیجہ آپ نکال رہے ہیں وہ قرآن میں مذکور نہیں۔ قرآن میں صرف ایک واقعہ کے طور پر یہ بیان ہوا ہے کہ قیامت کے روز جب دوبارہ اجساد میں جان ڈالی جائے گی اور لوگ نشأۃ آخرت میں داخل ہوں گے تو ان کو ایسا اور ایسا محسوس ہوگا۔ یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ اس سے پہلے برزخ میں وہ بے ہوش، بے حس اور "مطلق عالم ممات" میں ہوں گے۔ یہ اس واقعہ پر محض آپ کا اپنا قیاس ہے۔ اور اس قیاس کو آپ اتنی اہمیت دے رہے ہیں کہ قرآن کی ان صریح آیات کو جن میں اہل برزخ کی سماعت، گویائی، اور ان کی راحت یا تکلیف کا ذکر کیا گیا ہے ان کے صاف مفہوم سے پھیر کر اس قیاس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیا قرآن کو قرآن سے سمجھنے کا یہی طریقہ ہے؟ اگر آپ کو قیاس ہی کرنا تھا تو آپ نے یہ قیاس کیوں نہ کیا کہ ایک عالم سے دوسرے عالم میں پہنچنے کے بعد انسان پہلے عالم کو فراموش کر جاتا ہے، یا اس کو پہلے عالم کا محض ایک موہوم سا خیال رہتا ہے، یا پہلے عالم میں اپنی حالت کے متعلق اس کا اندازہ غلط ہوتا ہے جیسا کہ کذالک

كَانُوا يُوْفَكُوْنَ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں آپ کے قیاس کی نسبت یہ قیاس قرآن مجید کے ارشادات سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔

مولانا کا آخری نظریہ ان آیات پر مبنی ہے جن میں صرف دنیا اور آخرت کے عذاب و ثواب کا ذکر ہے، اور برزخ کا ذکر نہیں ہے، اور جن میں صرف دار آخرت کو دار الجزا فرمایا گیا ہے۔ اس سے مولانا یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ دنیوی زندگی کے بعد اور قیامت سے پہلے کوئی عذاب و ثواب نہیں ہے لیکن یہ نظریہ متعدد وجوہ سے باطل ہے۔

(۱) ان آیات میں کہیں برزخ کی روحانی زندگی اور اس کے عذاب و ثواب کی نفی نہیں کی گئی ہے بلکہ ان میں دنیا و آخرت کے عذاب و ثواب کا ذکر اسی طرح ایک واقعہ کے طور پر کیا گیا ہے جس طرح بعض دوسری آیات میں برزخ کی زندگی اور اس کے عذاب و ثواب کا ذکر بطور واقعہ آیا ہے۔ پھر پہلی قسم کی آیات دوسری قسم کی آیات کے لئے ناقض کیونکر ہو سکتی ہیں؟

۲۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ دار الجزا اور یوم الفصل دراصل دار آخرت ہی ہے لیکن قرآن مجید کی متعدد آیات سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ برزخ میں انسان کو ایک طرح کی روحانی زندگی حاصل ہوگی جس میں شعور و احساس پایا جائیگا ایسی صورت میں یہ ناگزیر ہے کہ فیصلہ کے دن تک انتظار کرنے کے لئے نفوس انسانی جہاں رکھے جائیں گے وہاں نفوس زکیہ کے لئے راحت اور نفوس خبیثہ کے لئے اذیت ہو۔ اگرچہ ان کے اعمال کی پوری پوری جزا و سزا ان کو فیصلے کے دن ہی ملے گی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انتظار کی مدت میں دونوں قسم کے نفوس ایک ہی حال میں رکھے جائیں۔

۳۔ آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ شہدا کو مرنے کے بعد ہی ثواب ملنا شروع ہو جائے گا اب فرمائیے کہ یہ ثواب یوم الفصل سے پہلے ہے یا اس کے بعد؟ اگر بعد ہے تو کیا شہدا کی قیامت عام لوگوں کی قیامت سے پہلے قائم ہو جائیگی؟ اور اگر یہ ثواب یوم الفصل سے پہلے اور دنیوی زندگی ختم ہونے کے بعد ہے تو آپ کا نظریہ ٹوٹ گیا کیونکہ اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ انتظار کی مدت میں نفوس کو رزق عطا ہونا قرآن مجید کے اس ارشاد کے خلاف نہیں کہ اصلی جزا و سزا کا دن قیامت کا دن ہے